ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

محمد نسیم ❁
پروفیسر ثوبان سعید ❁❁

شخصیتیں دو، مشن ایک: انصاری و عباسی اور زبان اردو

Two Personalities, One Mission: Ansari, Abbasi, and the Urdu Language

By *Muhammad Naseem, Research Scholar, Dept. of Urdu, Khwaja Moinuddin Chishti Language University, Lucknow.*

Prof. Sauban Saeed, Professor., Dept. of Urdu, Khwaja Moinuddin Chishti Language University, Lucknow.

ABSTRACT

The present paper, titled *Two Personalities, One Mission: Ansari, Abbasi, and the Urdu Language* offers a critical and research-oriented study of the collective struggle of Hayatullah Ansari and Qazi Adeel Abbasi for the preservation, promotion, and restoration of the cultural prestige of the Urdu language. The paper highlights the fact that Urdu has historically represented the composite culture, shared heritage, and national unity of the Indian subcontinent. However, after Independence, particularly in Uttar Pradesh, the language became a victim of linguistic and political prejudice. In such circumstances, both Hayatullah Ansari and Qazi Adeel Abbasi played an active role on multiple fronts to secure a legitimate status for Urdu. Hayatullah Ansari advocated for the rights of Urdu through journalism, parliamentary debates, public awareness campaigns, and educational movements. Qazi Adeel Abbasi, on the other hand, made significant contributions through the establishment of educational institutions, the Deeni Taleemi Council, signature campaigns, and mass-level movements aimed at the survival and propagation of Urdu. The paper concludes that despite certain differences in their approaches and strategies, both personalities

❁ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونی ورسٹی، لکھنؤ، ہندوستان
❁❁ استاد، شعبۂ اردو، خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونی ورسٹی، لکھنؤ، ہندوستان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2719-1915 (Online)

shared the common objective of strengthening Urdu as a composite national and cultural language.

Keywords: Linguistic Mission, Signature Campaign, Political Biases, Qaumi Awaz, Anjuman Taraqqi Urdu, Religions Educational Council, Public Level/ Grassroots Level.

اردو زبان ہندوستان کی متنوع، کثیر ثقافتی اور ہمہ رنگ تہذیب کی حسین آمیزش ہے۔ لسانی ماہرین اور محققین کے نزدیک اردو کسی ایک خطے یا قوم کی پیداوار نہیں بلکہ برصغیر کے مختلف طبقات، مذاہب اور تہذیب کے باہمی اختلاط اور تاریخی تعامل کا نتیجہ ہے۔ یہ زبان مخصوص سیاسی اور سماجی حالات کی کوکھ سے جنم لینے والی وہ ضرورت تھی جس نے مختلف قوموں اور طبقوں کے درمیان رابطے اور ابلاغ کا فریضہ انجام دیا۔ اسی لیے اردو کو صرف ایک زبان نہیں بلکہ ایک مشترکہ تہذیبی ورثہ بھی کہا جاتا ہے۔ عہدِ مغلیہ میں اسے سرپرستی حاصل ہوئی تو ایوانِ اقتدار میں اس کا وقار بڑھا، اور جب صوفیاے کرام نے خانقاہوں میں اسی زبان کو ذریعۂ تبلیغ بنایا تو اس نے عوامی سطح پر محبت، اخوت، مساوات اور رواداری کے جذبات کو فروغ دیا۔ نتیجتاً اردو دربار سے لے کر خانقاہ تک اور مدرسہ سے لے کر بازار تک مقبول ہوتی چلی گئی۔ مختصر عرصے میں یہ ایسی ہمہ گیر زبان بن گئی جسے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، امیر وغریب، عوام وخواص سب نے اختیار کیا۔ یوں اردو برصغیر کی مشترکہ تہذیب کی علمبردار بن کر ابھری۔

آزادی سے قبل اردو کو سرکاری سطح پر اہم مقام حاصل تھا۔ عدلیہ اور انتظامیہ میں اس کا عملی چلن نمایاں تھا اور تعلیمی میدان میں بھی طلبہ کو اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کی سہولت میسر تھی، تاہم تقسیمِ ہند کے بعد سیاسی حالات نے وقت کا رخ موڑ دیا، لسانی مسئلہ سیاست کی نذر ہو گیا اور اردو کو فرقہ وارانہ عینک سے دیکھنے کا رجحان فروغ پانے لگا۔ بالخصوص اتر پردیش میں ہندی کو واحد سرکاری زبان کا درجہ دے کر اردو کے دائرۂ اثر کو محدود کر دیا گیا۔ انتظامیہ، عدلیہ اور تعلیمی اداروں سے بتدریج اردو کو بے دخل کیا جانے لگا۔ اس صورتِ حال نے نہ صرف اردو داں طبقے کو بلکہ وسیع تر سیکولر اور دانشور حلقوں کو بھی تشویش میں مبتلا کیا، کیوں کہ اردو کسی ایک مذہب یا طبقے کی نہیں بلکہ مشترکہ تہذیبی ورثے کی زبان تھی۔ مہاتما گاندھی لکھتے ہیں کہ:

> میں نے اخباروں میں پڑھا کہ آگے سے یوپی کی سرکاری زبان ہندی اور لکھاوٹ دیوناگری ہوگی ۔ اس سے مجھے بہت دکھ ہوا ۔ ہندوستانی یونین کے مسلمانوں میں سے ایک چوتھائی یوپی میں رہتے ہیں ۔ سر تیج بہادر سپرو جیسے کئی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہندو ایسے ہیں جو اردو کے عالم ہیں۔ کیا ان کو اردو لکھاوٹ بھول جانی ہوگی؟[1]

اس پس منظر میں کئی اہلِ فکر و عمل نے اردو کے تحفظ اور فروغ کو اپنا نصب العین بنایا۔ انھیں شخصیات میں حیات اللہ انصاری اور قاضی عدیل عباسی کا نام اہمیت کا حامل ہے، جنھوں نے اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے فکری اور عملی سطح پر جدوجہد کی۔ زیرِ نظر مقالہ میں انھیں دو شخصیات کے لسانی مشن اور ان کی مشترکہ فکری ہم آہنگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

دو شخصیتیں

ا۔ حیات اللہ انصاری

حیات اللہ انصاری کا شمار اُن ہمہ جہت شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی فکری بصیرت، علمی سنجیدگی اور عملی جدوجہد کے ذریعے بیسویں صدی کی ادبی و تہذیبی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ نہ صرف ایک ممتاز ادیب اور صحافی تھے بلکہ اردو زبان و ادب کے فروغ، قومی شعور کی بیداری اور سماجی اقدار کے استحکام میں بھی ان کی خدمات نہایت اہم ہیں۔

حیات اللہ انصاری کی پیدائش یکم مئی ۱۹۰۱ کو لکھنؤ کے علمی مرکز فرنگی محل میں ہوئی، جو صدیوں سے علم و فضل کی روایت کا امین رہا ہے۔ ان کے والد مولوی وحید انصاری ایک علمی شخصیت تھے جنھوں نے تحصیلِ علم کے بعد گونڈہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے، جبکہ والدہ سائرہ بانو ضلع اناؤ کے ایک معزز علمی و مذہبی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابھی حیات اللہ انصاری صرف چار برس کے ہی تھے کہ والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور یوں کم عمری ہی میں شفقت مادری کی محرومی نے ان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ بعد ازاں والد کی دوسری شادی کے نتیجے میں گھریلو حالات سازگار نہ رہے، چناں چہ ان کی پرورش دادی دادا کی زیرِ سرپرستی ہوئی، لیکن آٹھ برس کی عمر میں دادا کے انتقال نے ایک اور صدمہ پہنچایا۔ بالآخر انھوں نے فرنگی محل میں والد کے ساتھ سکونت اختیار کی، جہاں کی علمی فضا نے ان کی ذہنی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا۔ بچپن ہی سے وہ ذہین طبع اور مطالعے کے شوق سے متصف تھے۔ اردو ادب سے ان کی فطری وابستگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کم عمری میں ہی اردو ادب ان کے وسیع مطالعہ کا مرکز رہا۔ ڈاکٹر نادرہ پردین اس سلسلے میں لکھتی ہیں کہ:

> اردو ادب سے بے حد لگاو اور دلچسپی بچپن سے ہی تھی۔ وہ 'داستانِ الف لیلہ' اور 'داستان طلسمِ ہوش ربا' جیسی طویل داستانوں کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ہی عہد

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> الحلیم شرر اور رتن ناتھ سرشار کے بعض ناول بھی پڑھ چکے تھے۔ مگر ناول فسانہ آزاد ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ رینالڈوس کے جاسوسی ناولوں کے ترجمے بھی پڑھتے تھے۔ کم عمری میں اتنی طویل سے طویل داستان اور ناول کا مطالعہ ان کی ذہانت کی بہترین دلیل ہے۔ (۲)

حیات اللہ انصاری کے تعلیمی سفر کا آغاز لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ سے ہوا جہاں انھوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر فضیلت تک کی تعلیم حاصل کی۔ روایتی اور مذہبی تعلیم کے بعد انھوں نے عصری تعلیم کی طرف رخ کیا اور جبلی کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا، جہاں سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ مکمل کیا۔ بعد ازاں لکھنؤ یونی ورسٹی سے فاضل ادب کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کا جذبہ اس قدر قوی تھا کہ مالی دشواریوں کے باوجود انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ اپنے واحد مکان ''مہدی والا گھر'' کو دس ہزار روپے میں گروی رکھ کر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی گئے اور وہاں سے بی اے کی تعلیم مکمل کی۔ یہ واقعہ ان کی علمی لگن اور حصولِ علم کے لیے غیر معمولی عزم کی روشن مثال ہے۔ حیات اللہ انصاری کی ازدواجی زندگی بھی علمی و ادبی ذوق سے ہم آہنگ رہی۔ ۱۹۴۰ میں میرٹھ کی ایک تعلیم یافتہ خاتون سلطانہ بیگم سے ان کی شادی ہوئی، جو خود بھی تصنیف و تالیف سے شغف رکھتی تھیں۔ سلطانہ بیگم انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی صدر بھی رہیں اور اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دلانے کی دستخطی مہم میں حیات اللہ انصاری کے ساتھ شانہ بہ شانہ رہیں۔ علی جواد زیدی لکھتے ہیں:

> حیات اللہ انصاری کی جد و جہد میں ان کی رفیقہ حیات سلطانہ مرحومہ کا بھی فعال کردار رہا ہے۔ (۳)

حیات اللہ انصاری نے اپنی عملی زندگی کا آغاز درس و تدریس سے کیا اور مدرسہ نظامیہ میں صرف انیس برس کی عمر میں مدرس مقرر ہوئے۔ بعد ازاں صحافت کے میدان میں قدم رکھا اور ہفتہ وار اخبار ''ہندوستان'' میں مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ حیات اللہ انصاری صحافتی کارکردگی میں فعالیت کے نتیجے میں روزنامہ ''قومی آواز'' کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ ''سب ساتھ'' اور ''سچ رنگ'' جیسے رسائل میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ حیات اللہ انصاری صحافت کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی سرگرم عمل رہے اور ایک بار اتر پردیش قانون ساز کونسل اور دو مرتبہ راجیہ سبھا کے رکن منتخب ہوئے۔ مختلف ادبی اور صحافتی تنظیموں میں بھی ان کا کردار نمایاں رہا۔ آل انڈیا ریڈیو ایڈیٹرس کے صدر، انجمن ترقی اردو اتر پردیش کے سکریٹری اور بعد میں صدر کے طور پر انھوں نے اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حیات اللہ انصاری کی ادبی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

حیثیت ایک صاحبِ طرز قلم کار کی ہے، انہوں نے اردو فکشن کے میدان میں گراں قدر سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ ان کی تصانیف میں بھرے بازار میں، شکستہ کنگورے، لہو کے پھول، مدار، گھروندا، ن۔م۔راشد، جدیدیت کی سیر، ٹھکانا، دس دن میں اردو، دس دن میں ہندی اور آخری سانس تک جیسی اہم کتابیں شامل ہیں، جنھوں نے انھیں اردو دنیا میں دوام بخشا۔

زندگی کے آخری ایام میں وہ گلے کی بیماری اور دل کے عارضے میں مبتلا رہے۔ بالآخر شدید قلبی حملہ ان کی زندگی کا آخری مرحلہ ثابت ہوا اور ۱۸ فروری ۱۹۹۹ کو صبح ۱۰:۳۰ بجے انتقال کر گئے۔ انھیں اپنے آبائی قبرستان باغ مولوی انوار میں سپردِ خاک کیا گیا۔ حیات اللہ انصاری کی شخصیت علم، ادب، صحافت اور قومی خدمت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ ان کی زندگی مسلسل جدوجہد، علمی لگن اور اردو زبان سے غیر معمولی وابستگی کی داستان ہے، جو انھیں اردو ادب کی تاریخ میں ایک باوقار اور قابلِ احترام مقام عطا کرتی ہے۔

۲۔قاضی عدیل عباسی

قاضی عدیل عباسی اردو ادب، صحافت، سیاست اور قومی و تہذیبی شعور کی اُن اہم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی فکری سنجیدگی، بے باک طرزِ اظہار اور مسلسل عملی جدوجہد کے ذریعے بیسویں صدی کی سماجی و علمی زندگی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ بیک وقت ادیب، صحافی، سیاسی کارکن، مترجم اور سماجی مصلح، مجاہد اردو تھے۔ ان کی پوری زندگی علم دوستی، حب الوطنی اور قوم کی خدمت کے جذبے سے عبارت دکھائی دیتی ہے۔

ان کا تعلق ضلع بستی کی تحصیل ڈمریا گنج کے تاریخی گاؤں ''بیارہ'' سے تھا، جو موجودہ ضلع سدھارتھ نگر میں شامل ہے۔ قاضی عدیل عباسی ۱۳/ مارچ ۱۸۹۸ء کو ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں علم و ادب کی روایت مضبوط تھی۔ ان کے والد قاضی بسم اللہ ''عاصیؔ'' تخلص سے شعر کہتے تھے اور صاحبِ ذوق شخصیت کے مالک تھے۔ گھر کے اسی ادبی اور فکری ماحول نے قاضی عدیل عباسی کی ذہنی تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا، جہاں مذہبی شعور، قومی احساس اور وسیع النظری کو یکساں اہمیت حاصل تھی۔ حصول علم کا شوق ان میں اوائل عمری سے ہی تھا۔ انھوں نے ۱۹۰۹ء میں پرائمری اور ۱۹۱۱ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس وقت قریبی علاقوں میں انگریزی تعلیم کے مناسب وسائل میسر نہ تھے، اس لیے وہ حصول علم کے لیے دور دراز مقامات تک گھوڑے پر سفر کر کے جاتے تھے، یہ ان کے عزم اور علم سے گہری وابستگی کا واضح ثبوت ہے۔ بعد ازاں بستی کالج سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ مکمل کیا، ۱۹۲۰ء میں گورکھپور سے بی اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا رخ کیا، جہاں سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۹۲۷ء میں ایل ایل بی اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔

قاضی عدیل عباسی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔ ۱۹۲۱ء میں روزنامہ ''مدینہ'' بجنور سے وابستگی اختیار کی اور جلد ہی معروف اخبار ''زمیندار'' سے منسلک ہو گئے۔ اس کے علاوہ متعدد اردو اور انگریزی اخبارات و رسائل میں ان کے مضامین پابندی سے شائع ہوتے رہے۔ ان کی تحریروں کا بنیادی موضوع آزادیٔ وطن کی جدوجہد، انگریز حکومت کی پالیسیوں پر تنقید، اردو زبان کے حقوق اور تعلیمی مسائل تھے۔ ایسے سیاسی ماحول میں جب حکومت کے خلاف آواز اٹھانا خطرے سے خالی نہ تھا، انھوں نے قلم کو اپنا ہتھیار بنایا، جس کے نتیجے میں انھیں گرفتار کیا گیا اور تقریباً ایک سال قید و بند کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔

قاضی عدیل عباسی پیشے سے تو وکیل تھے لیکن انھوں نے سیاست سے بھی وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۲۶ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے رکن منتخب ہوئے اور طویل عرصے تک عوامی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں اسمبلی کا انتخاب جیت کر عملی سیاست میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا، تاہم جب سیاست میں اصولوں کی جگہ مفادات غالب ہونے لگے تو انھوں نے خود کو اس میدان سے الگ کر لیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے الفاظ میں:

> جب قومی سیاست میں منفعت کا دھندا زیادہ اور خدمت خلق کا گوشوارۂ عمل گھٹتے گھٹتے معدوم ہو گیا تو وہ سیاست سے الگ ہو گئے۔ [۴]

سیاسی زندگی سے کنارہ کشی کے بعد انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اردو زبان کی خدمت، قومی تہذیب کے تحفظ اور تعلیمی اصلاحات کے لیے وقف کر دیں۔ اردو کے تعلیمی حقوق کے دفاع میں انھوں نے آواز بلند کی اور اس زبان کو تعلیمی نظام میں برقرار رکھنے کے لیے مسلسل جدوجہد کی۔ ان کا اسلوبِ تحریر سادہ، رواں اور دل نشیں تھا، جس میں فکری گہرائی کے ساتھ خلوص کی جھلک نمایاں رہتی تھی۔ ان کی نمایاں تصانیف میں اردو کا جنازہ، اردو کا استغاثہ، تحریک خلافت، اقبال اور وطنیت، سفر حج، جمعیۃ المسلمین اور آئینہ شب و روز شامل ہیں، جب کہ انگریزی خودنوشت *Aspects of Politics and Society: Memoirs of a Veteran Congress Man* ان کے سیاسی تجربات اور مشاہدات کی اہم دستاویز ہے۔ انھوں نے قومی تاریخ سے متعلق اہم کتابوں کے اردو تراجم بھی کیے تاکہ عام قارئین میں تاریخی شعور بیدار ہو سکے۔

تعلیمی اور سماجی میدان میں بھی ان کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ ابتدائی دینی تعلیم کے فروغ کے لیے انھوں نے ''انجمن تعلیمات دین'' قائم کی، جو بعد میں وسیع ہو کر ''دینی تعلیمی کونسل'' کی شکل اختیار کر گئی۔ اس ادارے کے ذریعے منتشر تعلیمی کوششوں کو منظم کیا گیا اور علمی خدمات کو اجتماعی سمت ملی۔ اس پوری جدوجہد میں انھوں نے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ذاتی شہرت یا مفاد کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ بالآخر علم، ادب، سیاست اور قومی خدمت کا یہ روشن چراغ ۲۱ مارچ ۱۹۸۰ء بروز جمعہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا، مگر قاضی عدیل عباسی کی علمی وفکری خدمات اردو زبان، قومی شعور اور تہذیبی روایت میں آج بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

مشن: زبان اردو

اردو زبان اور اس کی تہذیبی روایت کی تاریخ میں بعض نام ایسے ہیں جو ایک عہد کی نمائندگی کرتی ہیں۔ حیات اللہ انصاری اور قاضی عدیل عباسی بھی ایسی ہی شخصیات ہیں جنھوں نے اپنے اپنے انداز میں مختلف طریقوں سے اردو زبان کی خدمت انجام دی۔ بظاہر دونوں کے انداز اور طریقہ کار میں اختلافات نظر آتے ہیں، لیکن ان دونوں کی جدوجہد کا محور ایک ہی تھا، اردو زبان کا تحفظ، قومی یکجہتی اور فکری دیانت۔حیات اللہ انصاری اردو ادب میں افسانہ نگار، ناول نگار، صحافی اور محب اردو کی حیثیت سے معروف ہیں۔انھوں نے صرف قلمی طور پر اردو کے لیے جدوجہد نہیں کی بلکہ عملی میدان میں بھی صف اول میں نظر آتے ہیں۔ان کے یہاں اردو زبان کا مسئلہ صرف لسانی نہیں بلکہ تہذیبی اور تعلیمی مسئلہ تھا۔حیات اللہ انصاری اردو کو مسلمانوں تک محدود کرنے کے خلاف تھے اور ان کی کوشش تھی کہ اردو کو مشترکہ قومی زبان کی حیثیت دلائی جائے۔انصاری صاحب کے نظریات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اسلامیہ اسکولوں کو اردو میڈیم اسکولوں میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو انھوں نے اس تجویز کی حمایت کی۔ان کا خیال تھا جب اسکولوں سے فرقہ وارانہ اور مذہبی شناخت ختم ہوگی تو مخالفت کم ہو جائے گی اور اردو کو وسیع تر دائرہ ملے گا۔اسی طرح انھوں نے نصابی کتب میں اردو اور ہندی کو ساتھ ساتھ شامل کرنے کی تجویز کو بھی سراہا تاکہ دونوں زبانوں کے درمیان لسانی خلیج کم ہو۔ان کا نظریہ حال سے زیادہ مستقبل پر مرکوز تھا۔وہ فوری جذبات کے بجائے آئندہ کے نتائج کو پیش نظر رکھتے تھے۔ان کی شخصیت میں اعتدال، تدبر اور استدلال نمایاں تھے۔

وہیں قاضی عدیل عباسی کا شمار حیات اللہ انصاری کے معاصر مجاہد اردو میں ہوتا ہے۔قاضی عدیل عباسی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے وہ بیک وقت وکیل بھی تھے، صحافی بھی، مصنف بھی، سیاسی رہنما اور مجاہد آزادی بھی۔ان کی زندگی کا بھی سب سے نمایاں پہلو اردو کے لیے بے لوث محبت اور اس کی بقا کے لیے عملی جدوجہد ہے۔دستخطی مہم ہو یا اسکولی تحریک ہر جگہ قاضی عدیل عباسی صف اول میں نظر آتے ہیں۔بستی میں دوسو اسکولوں میں اردو کا نفاذ ان کی انتھک محنت کا نتیجہ تھا۔ان کی مقبولیت کا راز یہی تھا کہ وہ عوام کا مزاج سمجھتے تھے اور ان سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2719-1915 (Online)

ان ہی کی زبان میں بات کرتے تھے۔قاضی عدیل عباسی کا شمار اپنے دور کے مشہور وکلاء میں ہوتا تھا لیکن انھوں نے اسے پس پشت ڈال کر قومی خدمت کو ترجیح دی۔ان کی یہ قربانیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ محض نظریہ ساز نہیں تھے بلکہ عملی سطح پر بھی سرگرم عمل تھے۔عہدے اور منصب سے بے نیازی ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

آزادی کے بعد جب حکومتوں نے بالخصوص اتر پردیش میں سرکاری زبان ہندی کو اپنا لیا، اور سرکاری اسکولوں سے اردو کو ختم کرنے لگی، تو ۱۹۵۱ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے پلیٹ فارم سے اتر پردیش میں اردو کو علاقائی زبان بنانے کی تحریک شروع ہو گئی ۔ ۲۲/دسمبر ۱۹۵۱ء کو مجلس شوریٰ کے جلسے میں طے پایا کہ آئین ہند کے آرٹیکل ۳۴۷ کے تحت اردو کو علاقائی زبان بنانے کے لیے صدر جمہوریہ کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں سے دستخط کرا کر ایک عرضداشت پیش کی جائے، ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین، قاضی عبدالغفار، پنڈت کشن پرشاد کول، پروفیسر مسعود حسن رضوی، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، پنڈت سندر لال، سلطانہ حیات، حیات اللہ انصاری اور قاضی عدیل عباسی شامل تھے۔ اس کمیٹی کے قائد ڈاکٹر ذاکر حسین اور کنویر حیات اللہ انصاری منتخب ہوئے ۔ان دستخطوں کی جمع آوری میں روزنامہ ''قومی آواز'' پیش پیش رہا، جس کی ادارت حیات اللہ انصاری کے پاس تھی ۔اخبار کے ڈائرکٹر اس مہم میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے حیات اللہ انصاری کو نوٹس دیا کہ اخبار ان کی ماہانہ تنخواہ چار سو روپئے نہیں دے سکتا ہے۔حیات اللہ انصاری کو اس وقت دستخطی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے قومی آواز کی اہمیت کا اندازہ تھا، ان کے پاس اس وقت کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہیں تھا اس کے باوجود انھوں نے ڈائرکٹر کو خط دیا کہ میں ایک روپئے ماہانہ پر بھی کام کرنے کو تیار ہوں۔ ''قومی آواز'' سرکاری اخبار تھا اس لیے جب جواہر لال نہرو تک بات پہنچی تو انھوں نے مداخلت کی اور حیات اللہ انصاری کی تنخواہ بحال ہوئی اور ڈائرکٹر کو استعفیٰ دینا پڑا۔

جب یہ مہم چلی تھی تب نہ کوئی منظم تنظیم تھی نہ کارکن اور نہ ہی اتنا پیسا تھا کہ مہم کامیابی کے ساتھ آگے بڑھے۔اس وقت ملک کی فضا بھی اتنی خراب تھی کہ کسی بھی طرح کی نعرہ بازی سے ہندو مسلم فساد کے امکانات تھے۔ایسے میں جن لوگوں نے دستخطی مہم کو آگے بڑھایا اس میں قاضی عدیل عباسی اور حیات اللہ انصاری کا نام سر فہرست ہے، انصاری صاحب لکھتے ہیں کہ قاضی عدیل عباسی نے بستی اور آس پاس کے علاقوں سے سب سے زیادہ دستخط جمع کیے اور یہ مہم کامیاب ہوئی ۔ ۱۵ فروری ۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں اس کمیٹی نے بیس لاکھ سے زائد دستخطوں پر مشتمل میمورنڈم صدرِ جمہوریۂ ہند ڈاکٹر راجندر پرساد کو پیش کیا تھا۔

اردو زبان کے ساتھ سوتیلے برتاؤ اور حکومت کے مایوس کن رویّے کے خلاف حیات اللہ انصاری نے نہ

صرف فکری سطح پر آواز بلند کی بلکہ عوامی بیداری کو بھی اپنی جدوجہد کا بنیادی حصہ بنایا۔ ان کے نزدیک اردو کا مسئلہ محض ایک زبان کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ تہذیبی شناخت، جمہوری حقوق اور لسانی انصاف کا سوال تھا۔ اسی احساسِ ذمے داری کے تحت انھوں نے عوام کو منظم جدوجہد کی تلقین کی اور مختلف مواقع پر اپنی تحریروں اور تقاریر کے ذریعے اس جدوجہد کی سمت متعین کی۔ روزنامہ قومی آواز میں شائع اپنے ایک مضمون میں انھوں نے اردو کے حق میں منظم اور ہمہ جہتی جدوجہد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ہم کو جد و جہد کرنا ہے تین رخوں سے ایک طرف مسلسل حکومت سے تقاضے کرنا ہے کہ وہ اپنی مبہم گشتیوں کو واضع کرے اردو کو سہ لسانی فارمولے میں مناسب جگہ دلائے، دوسری عوام کو قائل کرنا ہے کہ ہمارا مطالبہ حق پر ہے اور حکومت نے واقعی ہمارے ساتھ ناانصافی کی ہے، اور تیسری طرف جہاں اور جس اسکول میں ممکن ہو اردو کو رائج کرنا ہے یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو بغیر طاقت اور عوامی جد وجہد کے ممکن نہیں ہیں ہم کو سہ لسانی فارمولے میں بھی اسی طرح کی لڑائی لڑنا ہوگی یعنی استقلال سے ان تھک جد و جہد کرنا ہوگا۔(۵)

درجِ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ حیات اللہ انصاری اردو کے مسئلے کو محض احتجاج تک محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے لیے عملی میدان میں جدوجہد کی اور عوام کو بیدار کرنے کا کام کیا۔ ان کے نزدیک حکومت پر دباؤ ڈالنا، عوامی شعور بیدار کرنا اور تعلیمی سطح پر اردو کو فروغ دینا، یہ تینوں جہتیں ایک دوسرے سے مربوط تھیں اور ان کے بغیر کسی لسانی تحریک کی کامیابی ممکن نہیں تھی۔ حیات اللہ انصاری اردو زبان کے حقوق کی بازیابی کے لیے عوامی سطح سے آگے بڑھ کر پارلیمانی پلیٹ فارم، خصوصاً لجسلیٹو کونسل (راجیہ سبھا) میں بھی مسلسل اردو کی نمائندگی کرتے رہے۔ اس سلسلے میں حسن عباس فطرت ایک اہم واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ۵۵۔ ۱۹۵۴ء میں انفلوئنزا پھیلا ہوا تھا اور حکومت اس کے تدارک اور احتیاط کے لیے ہر طرح کے طریقے استعمال کر رہی تھی، حکومت نے اشتہار کے ذریعے بھی عوام کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا مگر ہندی زبان میں ۔ اس وقت اسمبلی میں حیات اللہ انصاری نے آواز اٹھائی اور کہا کہ کیا اردو والوں کو انفلوئنزا نہیں ہوتا ہے؟ جن مرکز میں اندرا گاندی وزیر اطلاعات ونشریات ہوئیں تو انصاری صاحب نے اردو کا مسئلہ نئے سرے سے پیش کیا اور کامیاب رہے۔ اسی وقت سے اردو کو

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2519-6332 (Online)

> اخباروں میں جگہ ملی اسے ایک موضوع وایشو بنایا گیا۔ اور سنجیدگی سے اس پر غور و فکر ہونے لگا۔ اردو کی حمایت و وکالت نے اس کی سیاسی پوزیشن پر منفی اثرات مرتب کیے مگر انھوں نے اس کی پرواہ نہیں کہ۔ وہ اپنی روش پر ثابت وقائم رہے۔ ایک بار اردو کی حمایت کا انعام مخالفوں نے انھیں زخمی کرکے دیا مگر اس کا اثر ان کی مخالفت پر بالکل نہیں پڑا۔ یہ واقعہ میری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔(۶)

یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حیات اللہ انصاری نے زبان کے سوال کو انسانی حقوق کے مسئلے کے طور پر پیش کیا اور ایوانِ اقتدار میں بھی اس ناانصافی کی نشاندہی کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مخالفت، سیاسی نقصان اور حتیٰ کہ جسمانی حملوں کے باوجود ان کی استقامت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حیات اللہ انصاری کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ وہ ہر پلیٹ فارم پر اردو کے وکیل بن کر سامنے آتے تھے۔ خواہ سرکاری ادارے ہوں یا غیر سرکاری تنظیمیں، ترقی پسند مصنّفین کی کانفرنس ہو یا انجمن ترقی اردو کا اجلاس، ادبی محفل ہو یا عوامی اجتماع ہر جگہ اردو کے حقوق اور اس کے مستقبل کا سوال ان کی گفتگو کا مرکزی موضوع رہا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ۱۹۷۲ء میں منعقد ہونے والی اردو ایڈیٹرس کانفرنس تھی، جس کی صدارت حیات اللہ انصاری نے کی اور جس میں اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئیں۔ حیات اللہ انصاری نے اس موقع کو رسمی تقریب تک محدود رکھنے کے بجائے اردو کے مسائل کو پیش کیا اور اس جانب حکومت کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی۔

حیات اللہ انصاری ناخواندگی کو ملک کی ترقی میں بڑی رکاوٹ مانتے تھے۔ اس کو دور کرنے کے لیے انھوں نے ''دس دن میں اردو'' قاعدہ ترتیب دیا بلکہ پسماندہ بستیوں میں تعلیم بالغاں کے لیے لکھنؤ میں ۱۹۵۲ء میں اردو تعلیم گھر قائم کیا جو اوّل دن سے آج تک اردو کی ترویج و اشاعت میں اہم رول نبھا رہا ہے۔ حسن عباس فطرت رقم طراز ہیں:

> دس دن میں اردو لکھنے کے بعد وہ عام مصنّفین کی طرح خاموش نہیں بیٹھے بلکہ محلے محلے، گلیوں گلیوں کا دورہ کرکے ان پڑھ بالغوں کو ڈھونڈھ نکالتے۔ اپنی لالٹین ان کے ساتھ ہوتی۔ لکھنؤ کے مشہور ماڈل جیل میں بھی مدت تک کلاس چلاتے رہتے۔ اکثر راقم الحروف بھی ان کے ہمراہ ہوتا اور ان کا ہاتھ بٹاتا۔ مجھ کو لینے کے لیے وہ میرے ٹھانے پر پہنچ جایا کرتے تھے۔(۷)

اس طرح حیات اللہ انصاری کی جدوجہد ایک ہمہ گیر تحریک کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس میں صحافت، سیاست، پارلیمانی جدوجہد، ادبی سرگرمیاں اور عوامی بیداری سب ایک ہی مقصد کے تابع نظر آتے ہیں، یعنی اردو زبان کے جائز حقوق کی بحالی اور اس کے وقار کا تحفظ۔ ان کی عملی زندگی اس حقیقت کی گواہ ہے کہ زبان کی بقا صرف جذباتی وابستگی سے نہیں بلکہ مسلسل، منظم اور شعوری جدوجہد سے ممکن ہوتی ہے۔حیات اللہ انصاری کی عملی جدوجہد کے نتیجے میں اردو میڈیم اسکولوں کے لیے دس ہزار اساتذہ کی بھرتی عمل میں آئی، اور یہ آزادی کے بعد اتر پردیش میں اردو اساتذہ کی بحالی کی سب سے بڑی تعداد ہے۔اسی طرح قاضی عدیل عباسی کی شب و روز کے جانفشانی سے دینی تعلیمی کونسل عمل میں آئی۔

دینی تعلیمی کونسل

آزاد ہندوستان میں قاضی محمد عدیل عباسی نے جس عزم و استقلال اور ولولۂ عمل کے ساتھ اردو زبان کے حقوق کی بحالی کے لیے مسلسل جدوجہد کی، اسی جذبۂ خدمت کو انھوں نے دینی تعلیم کے فروغ اور مدارس و مکاتب کے منتشر نظام کی تنظیم و استحکام کی طرف بھی موڑ دیا۔ بیسویں صدی کے وسط میں اتر پردیش میں ابتدائی دینی تعلیم کی حالت نہایت ابتر تھی۔ مدارس مالی کمزوری، انتظامی بے ترتیبی اور وسائل کی شدید قلت کا شکار تھے۔ اس صورتِ حال کو سنبھالنے اور مکاتب کو زوال سے نکالنے کے لیے قاضی محمد عدیل عباسی کی کوششوں سے ۱۹۵۱ء میں ضلعی سطح پر ''انجمن تعلیماتِ دین'' کا قیام عمل میں آیا۔

انھوں نے مدارس کے مالی مسائل کے حل کے لیے عوامی تعاون پر مبنی دو منفرد اور عملی طریقے متعارف کرائے، جو ''چٹکی'' اور ''کھلیانی'' کے نام سے معروف ہوئے۔ چٹکی کے تحت گھروں میں روزمرہ کھانا پکاتے وقت اہلِ خانہ ایک مشت اناج مدرسے یا مکتب کے لیے الگ رکھ دیتے تھے، جسے مدرسے کا محصل ہر ماہ گھروں سے جمع کرتا تھا۔ اسی طرح کھلیانی کا نظام کسانوں سے وابستہ تھا۔ جب فصل تیار ہو کر کٹائی کے مرحلے میں پہنچتی تو کسان اپنی پیداوار کا ایک حصہ بطور تعاون مدارس کے لیے مخصوص کر دیتے تھے۔ یہ دونوں طریقے قاضی عدیل عباسی کی فکری اختراع تھے، جن کی بنیاد مقامی سطح پر عوامی شمولیت، سماجی ذمے داری اور خود کفالت کے اصولوں پر قائم تھی۔ ان کے تجویز کردہ اس نظام کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور اس تحریک کو اُس عہد کے ممتاز علما اور دانشوروں کی تائید و تحسین نصیب ہوئی۔ بعد ازاں اس تجربے کو وسعت دیتے ہوئے صوبائی سطح پر نافذ کیا گیا اور اسے ''دینی تعلیمی کونسل'' کا نام دیا گیا۔ اس کونسل کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی منتخب ہوئے، جبکہ قاضی محمد

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

عدیل عباسی کو جنرل سکریٹری کی ذمے داری سونپی گئی۔

''دینی تعلیمی کونسل'' کی سرپرستی میں سیکڑوں مدارس و مکاتب قائم ہوئے اور ہزاروں طلبہ نے یہاں سے دینی و بنیادی تعلیم حاصل کی۔ ان اداروں میں ذریعۂ تعلیم اردو زبان کو قرار دیا گیا، جس کے نتیجے میں اردو نہ صرف تعلیمی سطح پر مستحکم ہوئی بلکہ عوامی زندگی میں بھی اس کی جڑیں مزید مضبوط ہوئیں اور یہ زبان ملک کے مختلف خطوں تک عملی طور پر پہنچ گئی۔ یہ کونسل آج بھی اپنی تعلیمی اور دینی خدمات کے ذریعے سرگرمِ عمل ہے اور قاضی محمد عدیل عباسی کی بصیرت اور جدوجہد کی ایک یادگار ہے۔ شمس الرحمان فاروقی کے مطابق:

> قاضی عدیل عباسی اور ان کی دینی تعلیمی کونسل کی مساعی نہ ہوتیں تو اتر پردیش میں اردو کی صورت حال آج جیسی ہے۔ (وہ بے حد خراب) اس سے بہت خراب ہوتی۔(۸)

برسوں کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز محنت کے بعد حامیانِ اردو کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔ سنہ ۱۹۸۴ میں اتر پردیش کی کانگریسی حکومت کے وزیرِاعلیٰ نرائن دت تیواری نے ریاستی اسمبلی سے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا بل منظور کرا لیا۔ یہ خبر جب حیات اللہ انصاری تک پہنچی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ قومی آواز سے بارہ برس قبل علیحدہ ہو چکے تھے، مگر اس تاریخی موقع پر پہلی بار دفتر پہنچے، رفقا کو مبارک باد دی اور اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

> اردو کو یہ حق دلانے میں روز نامہ قومی آواز نے کلیدی رول ادا کیا۔ اس کی بنا پر وہ مبارک باد کا اصل مستحق قومی آواز کو سمجھتے ہیں۔(۹)

دو افراد جب عملی میدان میں ساتھ کام کرتے ہیں تو اختلافات ناگزیر ہوتے ہیں۔ حیات اللہ انصاری اور قاضی عدیل عباسی کے درمیان بھی بعض مسائل خصوصا دینی تعلیم اور کرپلانی رپورٹ کے سلسلے میں اختلاف ہوا۔ عدیل عباسی حال کے خطرات کا مشاہدہ کر رہے تھے جبکہ حیات اللہ انصاری مستقبل کے امکانات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن ان اختلافات کی بنیاد ذاتی مفاد یا انا نہیں تھی۔ دونوں ہی کے دل میں اردو کی بقا اور توسیع کے لیے خلوص کار فرما تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بحث و مباحثہ کے باوجود دونوں کے تعلقات کبھی خراب نہیں ہوئے۔ انجمن ترقی اردو کے اجلاس میں جب معاملات واضح ہوئے تو اختلاف کا دائرہ محدود ہو گیا۔ عدیل عباسی سے اختلافات کے بارے میں حیات اللہ انصاری خود لکھتے ہیں:

> ہم دونوں کی ایک مجبوری بھی تھی وہ یہ کہ اس وقت کی فرقہ وارانہ فضا میں بہت سی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> اہم باتیں اس اخباری بیانوں میں نہیں کی جاسکتی تھیں صرف گفتگو سے معاملہ طے ہوسکتا تھا۔ گفتگو ہوئی، لیکن اس میں بھی دو خامیاں رہ گئیں، ایک تو یہ کہ گفتگو اتنی طویل نہیں ہوئی جس میں ہر ہر پہلو اجاگر ہو جاتا اور دوسرے یہ کہ میں عدیل صاحب کو اپنے مستقبل کے تصور کا قائل نہ کرسکا۔ جب مرکزی انجمن میں یہ بحثیں اٹھیں تب وہاں اہم پہلو اجاگر ہو گئے۔ اس کے بعد عدیل صاحب اور میں نے دونوں نے محسوس کیا کہ ہم دونوں کا اختلافی میدان کافی چھوٹا ہو گیا۔ اس جلسے کے بعد مجھ سے عدیل صاحب نے کہا کہ اردو کا فلاں فلاں کام کیجیے۔ میں نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ آپ اختلاف نہ کریں۔ انھوں نے بے حد محبت سے کہا کہ اب ہم دونوں میں اختلاف کبھی نہیں ہوگا۔ (۱۰)

دونوں ہی شخصیات کی جدوجہد اردو زبان کی بقا اور فروغ کے لیے تھی۔ قومی آواز جس کے ایڈیٹر حیات اللہ انصاری تھے اس میں سلسلے وار عدیل عباسی کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ دستخطی مہم کے ذریعے بیس لاکھ دستخط جمع کر کے اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دلانے کی کوشش ہو یا اسکولی مہم کے ذریعے تعلیمی اداروں میں اردو کو نافذ کرانا ہو، دونوں ہر مرحلے پر ساتھ نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے طریقہ کار مختلف تھے لیکن دونوں کا بنیادی نظریہ ایک تھا۔ اردو کو مذہبی کے بجائے قومی زبان بنانے پر زور دینا اور تعلیم کو قومی ترقی کا ذریعہ بنانا۔ حیات اللہ انصاری کی دور اندیشی اور قاضی عدیل عباسی کی عملی قوت دراصل ایک ہی نظریے کے دو رخ تھے۔ ایک نے فکری بنیادیں فراہم کیں دوسرے نے عملی میدان میں جد و جہد کی۔ ایک نے مستقبل کے لیے حکمت عملی اختیار کی اور دوسرے نے حال کے مسائل سے جدوجہد کی۔

حواشی

۱۔ عشرت علی صدیقی، (مترجم)، ''گاندھی جی اور زبان کا مسئلہ''، (لکھنؤ: اتر پردیس اردو اکادمی، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۱۳

۲۔ نادرہ پروین، ''حیات اللہ انصاری کی فکشن نگاری'' مقبالہ پی ایچ ڈی مقالہ)، (لکھنؤ: شعبۂ اردو، لینگویج یونی ورسٹی، ۲۰۲۴ء)، ص ۷۴۔۷۵

۳۔ ایضاً، ص ۷۶

۴۔ محمد ارشد عباسی، ''آئینۂ شب و روز''، (نئی دہلی: نئی کتاب پبلشرز، ۲۰۱۹ء)، ص ۷

۵۔ روزنامہ ''قومی آواز''، لکھنؤ، ۸ رنومبر ۱۹۶۳ء، ص

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۶۔ حسن عباس فطرت،''حیات اللہ انصاری یادوں کے البم سے'' مشمولہ ''یادگاری مجلّہ حیات اللہ انصاری''، (لکھنؤ: مسرور ایجوکیشنل سوسائٹی، ۲۰۱۴ء)،ص ۲۵

۷۔ ایضاً،ص ۲۶

۸۔ مسعودالحسن عثمانی،''تحریرِ بے عدیل''، (لکھنؤ: دینی تعلیمی کونسل، ۲۰۱۷ء)،ص ۵۹

۹۔ نافع قدوائی،''ہندوستانی ادب کے معمار حیات اللہ انصاری''، (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۶ء)،ص ۱۰۲

۱۰۔ اختر بستوی،''کردار کے غازی قاضی عدیل عباسی''، (ٹانڈہ: نشاط پریس، ۱۹۸۴ء)،ص ۴۵

مآخذ

۱۔ بستوی، اختر،''کردار کے غازی— قاضی عدیل عباسی''، ٹانڈہ: نشاط پریس، ۱۹۸۴ء

۲۔ صدیقی، عشرت علی، (مترجم) ''گاندھی جی اور زبان کا مسئلہ''، لکھنؤ: اتر پردیس اردو اکادمی، ۲۰۱۰ء

۳۔ عباسی، محمد ارشد،''آئینۂ شب و روز''، نئی دہلی: نئی کتاب پبلشرز، ۲۰۱۹ء

۴۔ عثمانی، مسعودالحسن،''تحریرِ بے عدیل''، لکھنؤ: دینی تعلیمی کونسل، ۲۰۱۷ء

۵۔ فطرت، حسن عباس،''حیات اللہ انصاری یادوں کے البم سے'' مشمولہ ''یادگاری مجلّہ حیات اللہ انصاری''، لکھنؤ: مسرور ایجوکیشنل سوسائٹی، ۲۰۱۴ء

۶۔ قدوائی، نافع،''ہندوستانی ادب کے معمار— حیات اللہ انصاری''، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۶ء

رسائل و جرائد

۱۔ روزنامہ''قومی آواز''، لکھنؤ، ۸/نومبر ۱۹۶۳ء

غیر مطبوعہ کام

۱۔ پروین، نادرہ،''حیات اللہ انصاری کی فکشن نگاری''، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، لکھنؤ: شعبۂ اردو، لینگویج یونی ورسٹی، ۲۰۲۴ء

Bibliography

1. Abbasi, Muhammad Arshad, Aina-e-Shab-o-Roz, New Delhi: Nai Kitab Publishers, 2019
2. Bastavi, Akhtar, Kirdar kay Ghazi— Qazi Adeel Abbasi, Tanda: Nishat Press, 1984
3. Fitrat, Hasan Abbas, Hayatullah Ansari Yadon kay Album se in Yadgari Mujalla Hayatullah Ansari, Lucknow: Masroor Educational Society, 2014
4. Siddiqui, Ishrat Ali (Translator), Ghandi Ji aur Zaban ka Mas'la, Lucknow: Uttar Pardesh Urdu Academy, 2010
5. Qidwai, Nafay, Hindustani Adab kay Maymar— Hayatullah Ansari, New Delhi: Sahtia Academy, 2006
6. Usmani, Masood-ul-Hasan, Tehrir-e-Bay Adeel, Lucknow: Deeni Taleemi Counsil, 2017

Magazines and Newspapers

1. Daily Qaumi Awaz, Lucknow, 8th Nov. 1963

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

Unpublished work

1. Parveen, Nadira, Hayatullah Ansari ki Fiction nigari, Dissertation for PhD, Lucknow: Dept. of Urdu, Language University, 2024